پروفیسر محمد یحی صبا
Department of Urdu, Kirori Mal College, University of Delhi

عصرحاضر میں 'گئودان' کی معنویت

Abstract

In the novel Godan, Premchand skillfully captures those nuances of violence that have been normalized by patriarchal ideology. The story is set in a small, poverty-ridden village called Belari in Avadh, Uttar Pradesh, during Pre. Independence. Premchand lays bare the misery which is a permanent fixture in the lives of people who belong to the different ends of the social spectrum. A study of the novel reveals the vein of corruption, manipulation and hypocrisy that lies hidden under pseudo idealism.

It lays bare the victimization of individuals at the hands of the representatives of powerful oppressive social institutions. It also shows the peripheral situation of women caught in the traps of poverty, feminine ideals and humiliating social practices. Moreover, the novel shows those who are victims of self-inflicted violence, mainly due to their submission to social malpractices. In fact, the narrative offers a vivid glimpse of the mulati-faceted violence that is part of the lives of people residing in the villages and small towns of India.

While it is true that Premchand's Godan enjoys a canonical status in modern Indian literature, this canonisation of Godan has always been somewhat problematical. Neither the ideological orientation of the novel nor its formal construction seems to have won the complete approval of the critics. This paper briefly reviews the 'problem' of Godan

and offers some suggestions towards an alternative reading fo the novel, attending not so much to the characters as to the discursive levels of the text, and identifying the specificity of the textual structure in the conflict of ideological discourses. Its central argument is that Godan articulates a specific moment of modern Indian history rather than presenting a timeless portrait of Indian peasantry; the significance of the novel lies precisely in its ability to represent all the ideological voices of that moment entering into resonance or into conflict.

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

اردو زبان وادب کو اس بات پر بجا طور پر فخر حاصل ہے نیز ایک گونہ غرور بھی کہ اسے پریم چند جیسے عظیم فن کاروں نے اپنے احساسات، فن، قلم، وجدان، فکر اور آرزوؤں سے لہو پلا کر سجایا، اسے جوان کیا، اس کے سر پر آنچل ڈالا اور اسے وہ کچھ دیا جس کی اسے ضرورت تھی۔ بلکہ اس سے مستزاد آج تک دیتے آرہے ہیں اور جیسے جیسے، جہاں جہاں اس کی آبرو اور اس کی عصمت بچانے، اس کی شان اور اس کا نام بلند کرنے کا وقت آتا ہے، وہ تن من دھن سے اس کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

اردو ادب کے ان بے لوث خادموں میں ایک نام 'منشی پریم چند' کا نام بھی ہے۔ جن کے قلم نے جس مضمون کو چھوا، وہ جاوداں بنتا گیا: مجروح سلطان پوری کے قول کے مطابق:

دہر میں مجروح کوئی جاوداں مضموں نہیں!   جس کو میں چھوتا گیا، وہ جاوداں بنتا گیا!!

پریم چند ایک ایسے فکشن نگار تھے جنہوں نے فکشن کو رومانی دنیا سے حقیقی دنیا میں لا کھڑا کیا۔ اپنی کہانیوں میں ایسے موضوعات کو اپنایا جن کا تعلق ان کے قرب جوار کے لوگوں اور سماج سے تھا۔ انھوں نے سماج کے پس ماندہ لوگوں کو جینے کا ہنر سکھایا۔ انھیں اپنے حقوق سے واقف کرایا اور یہ نعرہ بھی دیا کہ ہمیں اب حسن کا معیار بدلنا ہوگا۔ انھوں نے صرف نعرہ نہیں دیا بلکہ اپنی کہانیوں کے ذریعہ اسے سچ بھی ثابت کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں ہمیں بیسویں صدی کے ابتدائی
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

دور کے ہندوستان کی مکمل عکاسی دکھائی دیتی ہے جس کا اعتراف پروفیسر قمر رئیس نے بھی کیا ہے:

> ''پریم چند نے اردو ادب اور اس کے سرمائے فکر کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا۔ انہوں نے زندگی اور کائنات کو فکر و نظر کے مروجہ زاویوں سے ہٹ کر ایک نئی سطح سے دیکھا۔ ایک ایسی بلند سطح سے جہاں سے زندگی اور انسانیت کا سمندر کروٹیں لیتا اور ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ وہ پہلے ادیب ہیں جن کی نظر حالت انسانی کے اس انبوہ میں دنیا کے مجبور اور مقہور انسانوں تک پہنچی جو قدرت کے دوسرے بے زبان مظاہر کی طرح صدیوں سے گونگے اور بے زبان تھے۔ پریم چند نے انھیں زبان دی۔ ازلی پسپائی اور پس ماندگی کے شکار یہ ہندوستان کے دبے، کچلے کڑوروں انسان تھے۔ جو ملک کی غالب اکثریت اور اس کی دولت، تہذیب اور شان وشوکت کے خالق تھے۔''

پریم چند کے ناول معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی گوشوں کا اس طرح محاصرہ کرتے ہیں کہ ان کے ناول ان تمام چیزوں کے ساتھ ہی ایک خاص قوم کے مزاج کے مفسر اور مبصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں قومی زندگی کے خارجی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ان کی داخلی کیفیتوں کی اس طرح عکاسی کی ہے کہ اس قوم کے جسم اور روح دونوں کا فرق عیاں ہو گیا ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ناول ہندستان کے شہروں، دیہاتوں کے نچلے اور متوسط طبقوں کی تہذیبی اور قومی الجھنوں اور کشیدگی کے آئینے ہیں۔ پریم چند کے ناول اردو ناول کی تاریخ میں زندگی اور فن کی عظمت اور بلندی کے بہترین مظہر ہیں۔

پریم چند کے شاہکاروں کے لامتناہی سلسلے میں ایک نام 'گئودان' بھی ہے۔ 'گئودان' اپنے اندر بے شمار اور بے مثال خوبیاں رکھنے والا ناول ہے۔ اس جیسے شاہ کار ناول اردو دنیا میں بہت کم، بلکہ نایاب ہیں۔ گئودان جو سب سے پہلے دیوناگری رسم الخط میں لکھا گیا تھا۔ یہ ناول ۱۹۳۶ میں سرسوتی پریس، بنارس سے ہندی میں شائع ہوا تھا۔ اسے اقبال بہادر ورما ساحر نے اردو میں ڈھالا تھا، جسے پریم چند کی وفات کے بعد مکتبہ جامعہ دہلی سے چھاپا گیا۔ اردو میں اس ناول کو اتنی مقبولیت ملی کہ اسے اردو ناول ہی قرار دیا جاتا ہے۔ اردو اور ہندی کے بیشتر ناقدین نے

''گئودان'' کو پریم چند کا بہترین ناول قرار دیا ہے۔

''گئودان'' میں پریم چند کی جبر اور سماجی ناانصافی کے خلاف آواز واشگاف ہوکر سامنے آتی ہے جس کی ابتداء اس ناول کے ابتدائی صفحات سے ہی ہوجاتی ہے۔ تشدد اور جبر کے ساتھ ساتھ غریب کسانوں کے ساتھ نہ ختم ہونے والا ستم اور ظلم اپنی نمایاں شکل کے ساتھ اس ناول میں نظر آتا ہے۔ یہ ساری باتیں انیسویں صدی میں ہر شہر، ہر قصبے اور ہر گاؤں میں دہرایا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سگے بھائیوں، خاندانوں کے کھاتے پیتے افراد کے درمیان چپقلش، حسد، جلن، دوسرے کی بربادی کی کوششیں اور اس کے لیے گری سے گری حرکتیں کرنا عام بات تھی۔ ہندوستان کے سیٹھ، امیر، زمین دار، قرض دینے والے، گاؤں کے عام طبقات کا طرز معاشرت، لین دین اور آپسی میل ملاپ کس قسم کا تھا۔ یہ ناول اس عہد کی ایک تصویر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جس میں ہمیں یہ ساری چیزیں نظر آجاتی ہیں۔

گئودان کا ہیرو ہوری ایک قسمت پرست، تقدیر کا شاکی رہنے والا پرانی روایات کا قائل ایک بوڑھا کسان ہے۔ گوبر ایک باغی قسم کا نوجوان ہے، جو بیگار، ہری بوسا اور زمینداروں کے دیگر قسم کے حقوق سوائے لگان کے نہیں دینا چاہتا اور اپنی ساری عمر زمینداری اور سرمایہ داری کے خلاف وسعت بھر بغاوت کر کے بسر کر دیتا ہے۔ اس طرح ہوری طبقاتی مفاہمت اور گوبر طبقاتی آویزش کی مثال کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس ناول میں برصغیر کے دیہی معاشرے اور اس کے اندر موجود کرداروں اور واقعات کی عکس بندی بہت خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ سماجی و معاشرتی جبر اور سماجی ناہمواری کے رویے بھرپور طور پر اس ناول میں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ناول ہندوستانی دیہی معاشرے میں جبر اور استبداد کی ایک واضح جھلک دکھاتا ہے۔ چنانچہ جب ہم ان حالات کا آج کے حالات سے موازنہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے واقعی اس وقت مزدوروں اور غریبوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے یا خود وہ ہی اپنے اوپر ان مصیبتوں کو لادتے تھے۔ چنانچہ اگر انھیں اگر کوئی کہتا کہ 'ہمیں سیاست بازوں، سیٹھوں اور زمین داروں کی زیادہ جی حضوری نہیں کرنی چاہیئے' جیسے ایک مقام پر 'گوبر' اپنے باپ 'ہوری' سے کہتا ہے:

''بابو یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ ہمیں بے وقوف بنا کر ہمارا مال لے کر ہمیں

برباد کرتے ہیں، ان کی چالوں کو ہمیں سمجھنا چاہیے اور انھیں لگان دیتے وقت
ان سے رسید بھی لینی چاہیے۔۔۔‘ تو اس کے جواب میں ’ہوری‘ اسے سمجھاتا
ہے کہ بیٹا بڑے لوگوں کے بارے میں ایسا نہیں کہتے، وہ ہمارے مائی باپ
ہیں، ہمیں ان کے بارے میں کچھ کہتے سمے محتاط رہنا چاہیے۔‘‘

تو وہ اس خیال کو اس کی کم عقلی، خون جوشیلا ہونا، یا جہالت سے تعبیر کرتے تھے۔ یعنی ان کے اندر کا انقلابی روح اور اس کے بیدار ہونے کے تمام امکانات مفقود ہو چکے تھے۔ وہ اس کے متعلق سوچتے وقت بھی ایسا محسوس کرتے تھے جیسا عرش ہل جائے گا اور آسمان کانپ اٹھے گا۔ یعنی وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، انھیں تو مشین بھی نہیں کہا جا سکتا تھا، کیوں کہ وہ تو بغاوت بھی نہ کر سکتے تھے، کم سے کم مشین باغی تو ہوتی ہیں اور ناک میں دم کر دیتی ہیں۔

گئودان اس عہد کی سچی داستان ہے جو پتھروں کے زمانے سے بھی بہت آگے آ گیا تھا مگر اس وقت کے انسان کی حالت ’اسٹون ایج‘ کے لوگوں سے بھی زیادہ خراب اور بری تھی۔ اس کی مثال ’ہوری‘ کی زندگی ہے۔ جس نے اپنی ساری زندگی محنت و مزدوری میں لگا دی اور دم توڑا بھی تو کھیت میں ہی اور مرتے وقت بھی اس کے ذہن و دماغ پر کھیت ہی سوار تھے۔ کھیت جنھیں وہ ’دھنیا‘، ’گوبر‘، ’سونا‘، ’روپا‘، ’جھینی‘ اپنے بیلوں بلکہ گھر کے ہر فرد سے اہم سمجھتا تھا، اسے حالاں کہ ان کھیتوں سے کچھ حاصل نہ ہوا، اس کے مرنے کے بعد لالہ نے انھیں دوسرے مزدور کے حوالے کر دیا، مگر ’ہوری‘ کے لیے وہ سب کچھ بہت کچھ تھے۔ اسی کے ساتھ اس کے جذبات بھی نہایت معصوم تھے، وہ اس بھری پری، ہوشیار، چالاک، فریبی، دغا باز دنیا میں بھی نہایت سیدھا انسان تھا۔ اس کی ایک معصوم تمنا اور تھی کہ اس کے گھر کے سامنے گائے بندھ جائے۔ اسے زندگی نے کچھ دیا نہیں دیا، کوئی غم نہیں، ہاں اگر گائے نہیں ملی تو اس کا مقصد زیست ہی بے کار ہے، اس کا جینا مرنا کسی کام نہیں، اس کی ساری زندگی لاحاصل ہے۔ اس کے لیے وہ ادھار گائے لینے سے بھی نہیں چوکتا، گائے کے حصول کے لیے وہ اپنے پڑوسی کو مطالبے سے زیادہ بھوسا دے دیتا ہے۔ اس کے بعد جب اس کے گھر گائے بندھ جاتی ہے تو اس کی اور اس کے گھر والوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہتا۔ وہ اس طرح ناچتے، گاتے، کودتے، پھاندتے ہیں جیسے انھیں ’گنج قارون‘ حاصل ہو گیا ہو۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسوں، چہروں پر زندگی کا تاثر، اعصاب میں سچی حرکت و عمل، جذبات میں حقیقت، کیا کچھ

دیکھنے کو نہیں ملتا اس وقت۔ ان احساسات وجذبات کی سچائی نے ناول 'گئودان' کو عظیم ناول بنا دیا۔

ناول 'گئودان' میں تمام بڑے ناولوں کی خوبیاں موجود ہیں۔ اس کا پلاٹ انوکھا، اسلوب نہایت عمدہ، اس کے کردار اپنے وقت اور حالات کے سچے عکاس اور حقیقی بیان، اپنے پارٹ ادا کرنے میں کسی قسم کی کمی نہ کرنے والے، ان کی باتیں ان کی سیرت، کریکٹر، مجموعی احوال، نئی اور پرانی نسل کے مابین فکری اور عقلی تفاوت، بڑوں کی معصوم حکمت عملی اور نوجوانوں میں پرانی روایتیں توڑنے کا جوش و جنون جس کی مثال 'گوبر اور جھینی' کی وہ جرأت ہے جس نے گاؤں بھر میں ایک بار تو 'ہوری' کا سر ہی نیچا کر دیا تھا، یہاں تک کہ معمولی حیثیت کے لوگ بھی اس کے منہ پر باتیں کہہ کر جاتے تھے اور وہ بس دیکھتا رہ جاتا۔ مگر پھر جب وہی بیٹا شہر سے واپس آتا ہے، مرزا خورشید کی عنایات اسے اچھا پورا نوجوان بنا دیتی ہیں تو وہی پھر ماں باپ کی آنکھ کا تارا بن جاتا ہے۔ ایسا ہر گھر میں ہوتا ہے اور یہ روایت بالخصوص ایسے طبقات وافراد میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔ 'ہوری' کی لالہ جی سے ملاقات، اس کا اس کے پاس آنا جانا اور دو باتیں کرنے کی سعادت حاصل کرنا، اس کے گاؤں والوں کے لیے مصیبت بن گیا۔

'ہوری' کے گھر گائے کیا آئی کہ اس کے وہ بھائی اس کے دشمن ہو گئے جنھیں 'دھنیا' نے اپنا دودھ پلایا اور 'ہوری' نے انھیں لوریاں سنا کے سینے سے لگا کر سلایا تھا۔ وہ بھائی اس سے جلنے لگے اور مارے حسد کے اس کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ان کی دشمنی اس قدر بڑھی کہ انھوں نے سازش کر کے بڑے بھائی کی گائے کو زہر دے دیا۔ گائے تڑپ تڑپ کر مر گئی، اس کے بعد ہوری اور اس کے پورے خاندان پر جیسے کڑکڑا کر بجلیاں گر پڑی ہوں، ہر کوئی رو رہا تھا اور سچے دل سے آنسو بہا رہا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا، ہوا وہی جو بے ایمان بھائیوں نے سوچا۔ اس کے بعد ہوری کی کائنات اور اس کی رونق ایک ایک کر کے ختم ہونے لگی۔

ناول 'گئودان' عصر حاضر کا ایک استعارہ بھی ہے۔ آج بھی کسی نہ کسی حد تک وہی صورت حال باقی ہے۔ وہی طبقاتی بلندی، اونچ نیچ کے تصورات اور ان پر مبنی تفریق۔ ہاں! اس کی صورت بدل گئی جس سے راست ایسا محسوس نہیں ہوتا بلکہ جب احساس ہوتا ہے اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ پروفیسر قمر رئیس اس ضمن میں لکھتے ہیں:

'گئودان ہمارے سماج کی وہ قدیم سچائی ہے جس میں آج بھی سرمو فرق نہیں

آیا، ہاں! اس کی نوعیت اور شکل ضرور بدل گئی جس سے راست وہ صورت حال پیدا نہیں ہوتی بہت دیر بعد اس کا احساس ہوتا ہے۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں ہوری اور اس کے بھائی مختلف صورتوں میں موجود ہیں۔ ان سے ہم کتنا ہی دامن بچالیں، بچ نہیں سکتے، ان کی اچھائی یا برائی ہمیں ضرور پہنچ کر رہے گی۔'

پروفیسر قمر رئیس کی یہ گفتگو اس گہرائی اور گیرائی کا پتا دیتی ہے جس سے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ہمارے سماج میں وہ برائی آج بھی موجود ہے، جو'گئودان' کی بین السطور سے ہویدا ہوتی ہے۔ جس نے ایک غریب گھرانے کو پے در پے ستم پہنچا کر بالآخر حصوں بخروں میں کر کے رکھ دیا۔ وہ برائی جس نے 'ہوری' جیسے عزم و ہمت کے پتلے کو بالکل توڑ کر رکھ دیا۔ جس نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے لُو کے جھٹکے کھائے ہوں گے مگر جب ان کی ہمتوں کا دم اپنوں نے توڑ دیا تو ایک ہلکا سولُو کا جھونکا اس کے جسم میں آگ بھرتا چلا گیا۔

گئودان کی معنویت اس طور پر بھی ہے کہ اس میں جن نکات کو موضوع بحث بنایا جنھیں عام طور پر ایسے طبقات نظر انداز کر دیا جاتا ہے حالاں کہ جن حالات میں 'روپا' کو اس سے دگنی عمر کے شخص کے جس طرح پلے باندھا گیا، وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جسے نظر انداز کر دیا جاتا، یا 'گوبر' اور 'جھینی' کا مسئلہ، مگر چوں کہ ان سماجوں میں اس طرح کی وارداتیں 'برائی' اور کوئی بہت اہم باتیں نہیں سمجھی جاتی تھیں، اس لیے عام اور معمولی سی تھیں، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جس طرح سے وہ لوگ سمجھتے تھے یا سوچتے تھے، ایسے ہی ہر کوئی سمجھتا اور سوچتا ہے، بالخصوص حساس اور دردمند دل والے افراد، ان کے لیے تو یہ مسائل روح فرسا ہیں اور ہوش ربا بھی، چنانچہ اگر وہ انھیں بدل نہیں سکتے تو ان کی مخالفت میں ضرور آجاتے ہیں۔ اپنی تحریر اور تقریر میں انھیں لکھ کر وہ مہذب دنیا کو بدحال لوگوں کی حقیقی زندگی دکھاتے ہیں۔ تاکہ انھیں احساس ہو کہ، ان ہی کی دنیا میں، ان ہی کے عہد میں ایسے افراد بھی جیتے ہیں جن کی زندگیاں موت سے بدتر ہیں اور جن کی سانسیں درد سے ٹوٹتی ہوئی گزرتی ہیں۔

گویا گئودان ایک ایسا ناول ہے کہ جس نے ہندوستان میں بالائی طبقات کی زیریں طبقات کے خلاف جبر و زیادتی کی بہت بھرپور انداز میں تصویر کشی کی ہے۔ اس ناول کے کردار واضح طور پر طبقات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہوری اور دھنیا کسانوں کی، داتا دین جھنگری سنگھ اور منگرو ساہ مذہبی پیش واؤں اور

ساہوکاروں کی، رائے اگر پال سنگھ زمینداروں کی، کھنہ سرمایہ داروں کی، مہتا اور مرزا خورشید نیز اونکار ناتھ متوسط طبقہ کے دانشوروں اور قومی راہنماؤں کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ ناول کا محور ہوری ہے جو کہ کسان ہے، اس کی موت پر ناول کا اختتام کر کے پریم چند نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہیں سمجھوتے پر اعتقاد نہیں رہا تھا۔ پریم چند نے کسانوں کی معاشی لوٹ کھسوٹ، مہاجنوں اور اعمال حکومت کی خباثتوں کے علاوہ مذہب اور ذات پات کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ برہمنوں نے مذہب کو ہمیشہ اپنے خود غرضانہ مفاد کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان کا دین دھرم خریدا بھی جا سکتا ہے۔ اگر کوئی برہمن کسی عورت کو بغیر بیاہ کے رکھ لے تو بے دھرم نہیں ہوتا جبکہ یہی کام چمار کرے تو بے دھرم اور اس کو کفارہ دینا پڑے گا۔ پریم چند نے اس ناول میں ہندوستان کے کسان کو اپنے حقوق سے آشنا بتایا ہے لیکن اس کے دکھ درد اور مسائل کم نہیں ہوئے۔ ایک طرف جاگیردارانہ سماج میں تسکین کے سامان ہیں، نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے، کوئی بن بیاہے کہارن کو لیے بیٹھا ہے، کسی نے اہیرن کو گھر میں ڈال رکھا ہے اور کوئی چمارن سے جنسی پیاس بجھا رہا ہے۔ دوسری طرف گاؤں کے مزدور اور کسان معاشی ابتری کا شکار ہیں۔ اس نظام کو بدلنے کی کوشش کرنے والا گوبر بھی آہستہ آہستہ سمجھوتے کرتا چلا جا رہا ہے۔ تاہم اس کا سماجی شعور بیدار ہے اور اس کا بار بار یہ کہنا کہ یہی جی چاہتا ہے کہ لاٹھی اٹھاؤں اور داتا دین پٹیشوری جھنگری سب سالوں کو مار گراؤں اور ان کے پیٹ سے روپے نکال لوں۔

'گئودان' محض ایک ناول نہیں کہ پڑھ لیا گیا اور اسے طاق میں سجا دیا گیا، بلکہ ایک دستور العمل اور منشور حیات ہے، جس کی روشنی میں ہم اپنی زندگیوں کا لائحۂ عمل تیار کر سکتے ہیں۔ انسانیت کی تاریخ کا ایک حصہ ہے، جس سے سیکھ کر ہم ان مسائل و حالات سے آگاہ ہو سکتے ہیں جن سے ناداری اور غربت کے عالم میں نوع انسانی کے ایک طبقے کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایک حقیقت ہے جس سے نظریں چرائی نہیں جا سکتی۔ ایک درد ہے جس نے دلوں اور سینوں کو چھلنی کر دیا۔ ایک احساس ہے جس سے فکرمندی کے نئے در وا ہوتے ہیں۔ ان تمام محرکات و عوامل نے 'گئودان' کو اردو ادب کی تاریخ کا ایک شاہ کار بنا دیا اور رہتی دنیا تک کے لیے اسے زندگی بخش دی۔

☆☆☆

حواشی:

۱۔گئودان (متن) منشی پریم چند۔زمانہ پریس، کانپور۔1940

۲۔گئودان: ایک استعارہ۔ماہنامہ شعروادب، لاہور۔اکتوبر:1980

۳۔گئودان: پریم چند کی تحریریں۔سیریل بائی گلزار۔پیش کش ڈی ڈی نیشنل۔2013

۴۔غزل۔مجروح سلطان پوری۔آواز پبلی کیشن ہاؤس۔ممبئی۔1995

۵۔پریم چند کی روایت اور معاصر اردو فکشن، قمر رئیس، ایوان اردو، دہلی، نومبر ۲۰۰۶، صفحہ ۵